مولانا سعید الرحمٰن ندوی
ناظم، فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ، بنگلور انڈیا

قرآن عظیم اور کائناتی مخلوق

خارج از زمین مخلوقات کی کثرت پر جدید اعجازی قرآنی بصائر

یہ مقالہ مضمون نگار کی غیر مطبوعہ تصنیف ''قرآن عظیم کی آفاقیت اور اس کا فلسفہ کائنات: خارج از زمین زندگی، انسان کی حقیقت اور خود اپنی اصلیت پر جدید اعجازی قرآنی بصائر'' کا دوسرا باب ہے۔ اسکا پہلا باب بعنوان ''قرآن عظیم اور اس کا نظام کائنات'' تین قسطوں میں ''الحق'' کے جولائی تا ستمبر ۲۰۰۸ء والے شمارات میں شائع ہو چکا ہے۔ مضمون نگار سے ان کے ای میل nadvisr@yahoo.com پر رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ (ادارہ)

قرآنی نقطۂ نظر سے نہ صرف ہمارے ایک آسمان میں بلکہ دیگر چھ آسمانوں یا کائناتوں میں بھی اس قدر محیر العقول تعداد میں زمینیں ثابت ہو رہی ہیں تو انسانی دل و دماغ میں فطری طور پر یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ آخر ان سب کی بھی تخلیق کا خدائی مقصد کیا ہوگا؟ اس وقت خصوصیت کے ساتھ ملحوظ رہے کہ قرآن حکیم میں کہیں بھی ان لاتعداد زمینوں کے مقابلے میں ہماری موجودہ زمین کی کوئی خصوصی حیثیت یا برتر نوعیت تسلیم نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ اس کی نظر میں ساری ہی زمینیں ایک جیسی ہیں، اور سب کے لئے ایک ہی میزان مقرر ہے۔ نیز جب کتاب الٰہی میں زمینوں کی اس کثرت کو متقدمین سے مستور الحال رکھ کر دور حاضر میں ہم متاخرین پر اس قدر حکیمانہ اور منظم اور نہایت اعجازی طور پر ظاہر کیا جا رہا ہے تو یہ سوال بے پناہ اہمیت و افادیت کا بھی حامل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اب ہم اسی منبع علم و دانش اور رشد و ہدایت کا از سر نو جائزہ لے کر اس سلسلے کے محکم بیانات کو سمجھنے اور انہیں کتاب ہذا کے باقی ماندہ مباحث میں منطقی ترتیب و تبویب سے پیش کرنے کی کوشش کریں گے، جس سے اس عظیم منصوبہ بندی میں پنہاں حکمت الٰہی خود بخود جلوہ افروز ہو جائے گی۔ چنانچہ کتاب الٰہی اس تعلق سے اپنی ہدایت کی ابتدا دو پرزور اعلانات کے ذریعے اس طرح کرتی ہے:

۱- ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا، ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ﴾ (ص: ۲۷) ترجمہ: آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے ہم نے انہیں بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے، یہ (یعنی اس طرح کی سوچ) تو کافروں کا خیال ہے، سو کافروں کیلئے ہلاکت ہے، جو آگ ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ﴾ (دخان:۳۸)

ترجمہ: آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے ہم نے انہیں کھیل کود میں نہیں پیدا کیا ہے۔

جیسا کہ پچھلے باب میں مدلل طور پر ثابت کیا جا چکا ہے موجودہ شمارے میں ﴿السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ اور ﴿السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ دونوں ہی ترکیبات ساتوں آسمانوں اور ان میں موجود ساری زمینوں پر دلالت کرنے والی ہیں۔ چنانچہ ان آیات کا صریح مطلب یہ ہوا کہ باری تعالیٰ نے سارے آسمانوں اور ساری زمینوں کی تخلیق بامعنی طور پر اور ایک خاص مقصد کے حصول کی خاطر کی ہے۔ یعنی صرف یہی ایک زمین نہیں بلکہ کائنات کی ہر زمین کی پیدائش میں بھی اسکی کوئی گہری منصوبہ بندی اور عظیم حکمت و مصلحت کارفرما ہے۔ چنانچہ ﴿ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ خبر دے رہا ہے کہ آسمانوں یعنی کائناتوں کی بے مقصد یا از خود تخلیق (theory of spontaneous creation) کا تصور ہی اہل کفر کا شیوہ ہے۔ اب تخلیق کا یہ خدائی مقصد کیا ہو سکتا ہے کتاب الٰہی اس کی ابتدا اس طرح کرتی ہے:

۲- ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ، وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ﴾ (شوریٰ:۲۹) ترجمہ: اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق ہے، اور وہ جاندار بھی جنہیں اس نے ان دونوں میں پھیلا رکھے ہیں، اور وہ جب چاہے انہیں جمع کرنے پر قادر بھی ہے۔

اس آیت میں ﴿السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ﴾ کی ترکیب سے ایک اور مرتبہ پتہ چل رہا ہے کہ یہاں بھی ساتوں آسمان اور ان میں موجود ساری ہی زمینیں مراد ہیں۔ لہٰذا اس ربانی ارشاد کے ذریعے صریح ترین الفاظ میں یہ حقیقت مفہوم ہو رہی ہے کہ ساتوں آسمانوں کی ساری ہی زمینوں میں ﴿دَآبَّةٍ﴾ کو پھیلا دیا گیا ہے۔ اب ﴿دَآبَّةٍ﴾ سے کیا مراد ہو سکتا ہے اس کی تفسیر قرآن مجید ہی میں ایک اور مقام پر اس طرح کی گئی ہے:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ، فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى أَرْبَعٍ، يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ...﴾ (نور:۴۵)

ترجمہ: اللہ نے ہر جاندار کو ایک خاص پانی سے پیدا فرمایا ہے، سو ان میں سے کوئی اپنے پیٹ کے بل رینگتا ہے تو کوئی دو پیروں سے چلتا ہے، اور کوئی چار پیروں سے، اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔

اس طرح خود قرآن مجید ہی کی رو سے ﴿دَآبَّةٍ﴾ سے مراد ہر وہ جاندار ہوا جو چاہے رینگنے والا ہو یا دو یا چار پاؤں سے چلنے والا۔ چنانچہ اس تعریف کے عموم میں اس زمین کے سارے ہی جاندار آجاتے ہیں، جن میں دو پاؤں سے چلنے والا انسان بھی بنفس نفیس شامل ہے۔ نیز ﴿دَآبَّةٍ﴾ کے مفہوم میں انسان کی شمولیت کی ایک اور دلیل اسی آیت میں اس کے متصل بعد والا فقرہ ﴿وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ﴾ بھی ہے، جس میں موجود ضمیر جمع مذکر غائب جو صرف ذوی

العقول کے لئے آتی ہے وہ ﴿دَآبَّةٌ﴾ ہی کی جانب لوٹ رہی ہے۔ عربی زبان کے قاعدے کے مطابق جب کسی لفظ کی مراد میں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں جمع ہو جائیں تو اس لفظ کو بوجہ تعلیب اول الذکر ہی پر محمول کیا جاتا ہے۔ اسی طرح موجودہ سورۂ نور والی آیت میں بھی یہی ضمیر جمع مذکر غائب تین جگہوں پر ﴿دَآبَّةٌ﴾ ہی کی جانب لوٹ رہی ہے۔ اب حسب ذیل آیت کریمہ ملاحظہ ہو جو صاف سیدھے اور راست طور پر انسان کو ﴿دَآبَّةٌ﴾ قرار دینے والی ہے:

﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (انفال:۵۵)

ترجمہ: یقیناً اللہ کے نزدیک سب سے بدترین جاندار وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا، پھر ایمان نہیں لے آتے ہیں۔

مزید برآں اکثر متقدم مفسرین کے نزدیک بھی ﴿دَآبَّةٌ﴾ کے مفہوم میں انسان کا وجود مسلّم رہا ہے۔ ان میں پیش پیش تفسیر بالماثور کے ممتاز مفسر حافظ ابن کثیرؒ ہیں، جنہوں نے سورۂ شوریٰ والی آیت کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے نہایت واضح الفاظ میں انسان اور ملائکہ کا وجود آسمانوں کے اطراف واکناف میں بھی تسلیم کیا ہے:

”وهذا يشمل الملائكة والإنس والجن وسائر الحيوانات على اختلاف أشكالهم وألوانهم ولغاتهم وطباعهم وأجناسهم وأنواعهم وقد فرقهم في أرجاء أقطار السماوات والأرض“.

ترجمہ: دابہ میں ملائکہ، انسان، جنات اور دیگر سارے ہی حیوانات اپنی شکلوں، رنگتوں، بولیوں، طبیعتوں، انواع اور اجناس کے حسب اختلاف شامل حال ہیں، جنہیں اللہ نے زمین اور آسمانوں کے اطراف واکناف میں بکھیر دیا ہے۔

نیز نقل وروایت ہی پر مبنی تفسیر کے دیگر دو نامور ائمہ طبریؒ اور سیوطیؒ اور امام قرطبیؒ نے بھی مشہور تابعی مفسر مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد انسان اور ملائکہ ہو سکتے ہیں: **”الناس والملائكة“**

جب کہ امام لغت وادب زمخشریؒ، امام تفسیر معقول ومنقول رازیؒ، امام عقائد نسفیؒ اور ابوحیانؒ وغیرہ نے اس سے الگ الگ اقسام کے وہ جاندار مراد لئے ہیں جو آسمانوں میں انسان ہی کے مانند چلنے پھرنے والے ہوں:

”لا يبعد أن يقال إنه تعالى خلق في السماوات أنواعا من الحيوانات يمشون مشي الأناسي على الأرض.“ ترجمہ: یہ کہنا کچھ بھی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں بھی انواع واقسام کے ایسے حیوانات پیدا کر دئے ہوں جو وہاں اس زمین کے انسانوں ہی کے مانند چلتے پھرتے ہوں۔

لہٰذا اس تفصیل سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ آیت کریمہ کی روشنی میں اکثر کبار مفسرین وسلف صالحین کے نزدیک آسمانوں میں جاندار مخلوقات کا وجود ایک متفقہ حقیقت تھی۔ مگر چونکہ اُس وقت ان جانداروں سے متعلقہ دیگر امور واضح نہیں تھے تو کچھ مفسرین نے اپنے اپنے اجتہادات کے ذریعے ان سے انسان نما حیوانات مراد لئے تو کچھ نے خالص لفظی دلالت کا اعتبار کرتے ہوئے، جو کہ فہم قرآن کا اصلی جوہر ہے، ان میں راست طور پر انسان کو بھی شامل حال مانا ہے۔ یہاں اس حقیقت کا اظہار کر دینا بھی نامناسب نہیں ہوگا کہ مذکورہ بالا مفسرین کے نزدیک پہلے باب میں مذکور

طلاق:۱۲ کے تحت اس کائنات میں کم ازکم سات زمینیں ضرور ثابت تھیں، مگر ان میں سے کسی نے بھی موجودہ شوریٰ والی آیت کے تحت ساری کائنات میں ثابت ہونے والے ﴿دَآبَّۃٌ﴾ کو ان زمینوں کے پس منظر میں نہ دیکھتے ہوئے اسے محض آسمانوں کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی، جسکی وجہ سے یہ ''انسان'' اور ''انسان نما جانور'' کا اختلاف رونما ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس وقت ہماری موجودہ تحقیق کے مطابق ﴿السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ کی اس ترکیب میں کائنات کی دیگر زمینیں شامل نہیں تھیں۔ بلکہ اس میں صرف ہماری ایک ہی زمین کو شامل مانا جاتا تھا۔ چنانچہ اب جبکہ ان آیات کے ذریعے روایت ودرایت دونوں ہی اعتبارات سے سارے آسمانوں اور زمینوں میں کم ازکم جاندار مخلوقات ہی کا وجود ثابت ہورہا ہے تو ہم اس موضوع سے تعلق رکھنے والی دیگر آیات قرآنی کا از سرِ نو جائزہ لیکر اس آسمانی مخلوق کے خدوخال کو مزید واضح کرنے کی کوشش کریں گے، جس سے ان متقدمین کے درمیان رہا سہا اختلاف بھی اپنے آپ رفع ہوجائیگا:

۳-﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ (نحل:۴۹) ترجمہ: آسمانوں اور زمینوں میں جو کوئی جاندار ہیں وہ اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں، اور خود ملائکہ بھی، اور وہ تکبر نہیں کرتے ہیں۔

یہاں ایک اور مرتبہ ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ کی ترکیب کے ذریعے ﴿دَآبَّۃٌ﴾ کا وجود سارے آسمانوں اور زمینوں میں ہونے کی خبر دیتے ہوئے ان کا ایک اہم وصف یہ بھی بیان کیا جارہا ہے کہ وہ اپنے معبود حقیقی کے آگے سجدہ ریز ہونے والی مخلوق ہے۔ اب سجدے کی حقیقت سے ظاہر ہے کہ یہ مخلوق عقل مند بھی ہوگی۔ نیز اس وقت یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ یہ آیت کریمہ منصوص طور پر ﴿دَآبَّۃٌ﴾ اور ﴿الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ کو واو عاطفہ کے ذریعے علاحدہ کرکے انہیں دو مختلف النوع مخلوقات قرار دے رہی ہے، کیوں کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت کا تعلق ہوتا ہے۔ اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ملائکہ ایک بالکل ہی مختلف مخلوق ہیں جن کا شمار ﴿دَآبَّۃٌ﴾ میں نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا سابقہ شمارے کے ذریعے سارے آسمانوں اور ساری زمینوں میں ثابت ہونے والی مخلوق اپنے رب کے آگے سربسجود ہونے والی ہے، ذی عقل ہے، اور ملائکہ سے مختلف بھی۔

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ، وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ، اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل:۴۴)

ترجمہ: ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان میں جو کوئی ہے اسی کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور ایسی کوئی بھی چیز نہیں جو حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو، لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے ہو، بیشک وہ بردبار اور مغفرت کرنے والا ہے۔

اس آیت میں سارے آسمانوں اور زمینوں میں موجود اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرنے والوں کی جانب اشارہ کرنے کیلئے ذوی العقول کیلئے مخصوص اسم موصول ﴿مَنْ﴾ لاکر اور آگے ﴿تَسْبِيْحَهُمْ﴾ میں انہیں کے لئے مخصوص ضمیر جمع مذکر

غائب کو اس کی جانب لوٹا کر اصلاً پچھلے شمارے کی تشریح کی جارہی ہے کہ یہ مخلوق وہی ہے جو وہاں ﴿دَآبَّةٌ﴾ کی شکل میں اپنے معبود کے آگے ماتھا ٹیکنے والی تھی۔ لہذا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ مخلوق ضرور عاقل ہی ہوگی۔

﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ أَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ أَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى﴾ (نجم:۳۱) ترجمہ: آسمانوں اور زمینوں میں جو کوئی ہے وہ اللہ ہی کا ہے، تاکہ وہ برا کرنے والوں کو ان کے عمل کا بدلہ دے اور اچھا کرنے والوں کو اچھا بدلہ۔

﴿وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ (جاثیہ:۲۲) ترجمہ: اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حقانیت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا۔

﴿أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ، يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ، وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (مائدہ:۴۰) ترجمہ: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت ہے، وہ جسے چاہے عذاب دیتا ہے، اور جسے چاہے بخش دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ملحوظ رہے کہ ان تینوں آیات میں سارے آسمانوں اور زمینوں کے تناظر میں بات ہورہی ہے۔ لہذا یہاں ان کی تخلیق کا مقصد ہی لوگوں کو ان کے اچھے اور برے اعمال کے مطابق جزا اور سزا دینا بتایا جارہا ہے۔ چنانچہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ساری زمینوں میں ضرور ایسی ذی عقل اور مکلف مخلوقات بسی ہوئی ہیں جو جزا وسزا کی مستحق ہوتی ہیں۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان مخلوقات کا اطلاق ملائکہ پر نہیں ہوسکتا ہے کیوں کہ وہ معصوم عن الخطاء ہونے کی وجہ سے سزا کے مستحق نہیں ہوسکتے ہیں۔ لہذا اب تک کی آیات سے ثابت شدہ ذی عقل آسمانی مخلوقات وہ ہوئیں جو غیر ملائکہ ہیں، اپنے رب کے آگے سربسجود ہوتے ہوئے اس کی حمد وثنا کرنے والی ہیں اور مکلف ہونے کی وجہ سے جزا وسزا کی مستحق بھی۔

اب ان آسمانی مخلوقات کے استحقاق جزا وسزا کے اعلان سے یہ سوال بھی ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ کیا ہماری موجودہ زمین ہی کے مانند وہاں بھی مخلوقات کے درمیان ایمان ویقین اور کفر وتکذیب کا سلسلہ رواں دواں ہے، جس کی بنیاد پر وہ اس عوض کے مستحق ہوتے ہوں؟ چنانچہ ذیل کی آیات میں ٹھیک اسی سوال کا جواب پوری وضاحت کے ساتھ دیا جارہا ہے:

۴- ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا، أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ. وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ، وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ. قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ، وَمَا تُغْنِي الْآيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (یونس:۹۹-۱۰۱)

ترجمہ: اگر تمہارا رب چاہتا تو ساری زمینوں میں جو کوئی ہے ایمان لے آتا، کیا تم لوگوں کو ایمان لے آنے پر مجبور کرسکتے ہو؟ کوئی بھی شخص مشیت الٰہی کے بغیر ایمان نہیں لے آسکتا ہے۔ جو عقل سے کام نہیں لیتے ہیں اللہ ان پر

گندگی تھوپ دیتا ہے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ دیکھو تو سہی آسمانوں اور زمینوں میں کیا ہے؟ (حقیقتاً وہاں بھی) ایمان نہ لے آنے والی کسی بھی قوم کے لئے نشانیاں اور ڈرانے والے کچھ بھی مفید نہیں ہوتے ہیں۔

اس شمارے کی تینوں آیات معنوی اعتبار سے آپس میں ایک دوسرے سے جڑ کر کفار کے عدم صلاحیت ایمان کا فلسفہ ایک منطقی اسلوب میں پیش کرتے ہوئے کائنات کی ایک مہتم بالشان حقیقت کو نہایت اعجازی انداز میں بے نقاب کر رہی ہیں۔ چنانچہ اس وقت اگر پچھلے شمارے کے تحت بیان کردہ پانچوں منتشر آیات کے ذریعے حاصل ہونے والا حقیقی مفہوم بھی مدنظر رہے تو اس سے بخوبی مستنبط ہوگا کہ یہاں پہلی آیت میں واقع ہونے والے ﴿كُلُّ﴾ اور ﴿جَمِيعًا﴾ دو الگ الگ تاکیدیں ہیں جو حقیقت میں بالترتیب دو مختلف الفاظ ﴿مَنْ﴾ اور ﴿الْأَرْضِ﴾ کو موکد کرنے والی ہیں۔ ساتوں آسمانوں میں موجود ساری ہی زمینوں پر دلالت کرنے کے لئے ﴿الْأَرْضُ جَمِيعًا﴾ کی ترکیب قرآن مجید میں بکثرت استعمال ہوئی ہے، جس کی ایک مثال پہلے باب کے پہلے ہی شمارے میں گزر چکی ہے۔ اس کی مزید مثالیں اگلے صفحات میں بھی پیش کی جائیں گی۔ اس طرح یہاں تقدیر کلام یوں ہے: "وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ كُلُّ مَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا" (اگر تمہارا رب چاہتا تو ساری زمینوں میں جو کوئی ہے ایمان لے آتا)۔ لہٰذا اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ ساری زمینوں میں یقینی طور پر ایسی مخلوقات بھی موجود ہیں جو ایمان و انکار دونوں ہی اقسام کی صلاحیتوں سے متصف ہیں۔ اسی لئے اس دعوے کی دلیل اور ثبوت کے طور پر آخری آیت میں ﴿قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ دیکھو تو سہی آسمانوں اور زمینوں میں کیا ہے؟) کے ذریعے موجودہ کفار کو سارے آسمانوں اور زمینوں کی موجودات کا بغور مشاہدہ و مطالعہ کرنے کی دعوت دیتے ہوئے ﴿وَمَا تُغْنِي الْآيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (ایمان نہ لے آنے والی کسی بھی قوم کے لئے نشانیاں اور ڈرانے والے کچھ بھی مفید نہیں ہوتے ہیں) کے ذریعے اشارے ہی اشارے میں انہیں اس حقیقت سے مطلع کیا جا رہا ہے کہ ان کا یہاں ایمان نہ لے آنا صرف اسی ایک زمین کا کوئی انوکھا و نرالا واقعہ نہیں، بلکہ کائنات کی دیگر زمینوں میں بھی یہی سلسلۂ تکذیب و انکار جاری و ساری ہے۔ وہاں کفار و منکرین کے پاس بہت سارے رسول خدائی نشانیوں کے ساتھ مبعوث کئے جاتے رہنے کے باوجود وہ بھی ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہونے والے نہیں ہیں۔ اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں ﴿مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا﴾ کی لفظی ترکیب میں پائے جانے والے ظاہری ابہام کی توضیح اس آخری آیت میں ﴿السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ﴾ فقرے سے کی جا رہی ہے کہ وہاں بھی ساری ہی زمینیں مراد ہیں۔

نیز ان آیات کے ذریعے یہ حقیقت بھی بخوبی واضح ہو رہی ہے کہ ان آسمانی مخلوقات کے درمیان بھی نبوت و رسالت کا سلسلہ برابر قائم و دائم ہے اور یہ کہ ان کے مابین بھی کتب الٰہی کے نزول اور معجزات خداوندی کے ظہور کا نظام پورے آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری ہے، کیوں کہ یہاں ان مخلوقات کے جن ﴿اٰيٰتٌ﴾ اور ﴿نُذُرٌ﴾ سے

اعراض کئے جانے کا بیان ہو رہا ہے وہ ان سب معانی پر بھی براہ راست اور بالواسطہ دلالت کرنے والے ہیں۔ اس وقت یہ حقیقت بھی مدنظر رہے کہ ان آیات میں ہماری زمین کے کفار ومنکرین کا موازنہ دیگر زمینوں کے کفار ومنکرین سے کیا جارہا ہے، اور معنی خیز طور پر یہ پوری بات ﴿النَّاسُ﴾ کے سیاق میں کی جارہی ہے، جو کہ "إنسان" کی جمع ہے۔ چنانچہ درج ذیل آیت ملاحظہ ہو، جہاں ان آسمانی مخلوقات کے حق میں موجود انسان سے استغناء بھی برتا جارہا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ، وَإِنْ تَكْفُرُوْا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ...﴾ (نساء:۱۷۰) ترجمہ: اے لوگو! رسول تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق لے کر آئے ہیں، سو تمہارا ایمان لے آنا خود تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر تم انکار کرو گے تو اللہ کے لئے وہ سب ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں۔

ملحوظ رہے کہ یہاں ﴿مَا﴾ اسم موصول ہے جو غیر ذوی العقول کے علاوہ ذوی العقول کیلئے بھی مستعمل ہوتا ہے، جیسا کہ شمارہ ۱۳ کے تحت سورۂ نجم والی آیت میں اس کا استعمال ہوا ہے، اور جیسا کہ درج ذیل آیت میں خود اللہ کی ذات کیلئے بھی: ﴿وَلَآ أَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ أَعْبُدُ﴾ (کافرون:۳) ترجمہ: اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں کرتا ہوں۔

اب جب کہ دیگر زمینوں میں بسی مخلوقات ہماری زمین میں موجود مخلوقات ہی کے مانند مکلف ہیں، اور ایمان وانکار دونوں ہی صفات سے متصف بھی، تو اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ وہاں بھی سنت الٰہی کے مطابق کفر وانکار کی پاداش میں کفار ومنکرین کی ہلاکت وبربادی کا سلسلہ یقیناً جاری ہوگا۔ لہٰذا حسب ذیل تین شمارات باہم ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہوئے ٹھیک اسی حقیقت کی منظر کشی نہایت عبرت انگیز طور پر اور الگ الگ اسالیب میں کرنے والی ہیں:

۵ - ﴿وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ. فَلَمَّآ أَحَسُّوْا بَأْسَنَآ إِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ. لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا إِلٰى مَآ أُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ. قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ. فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ. وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ. لَوْ أَرَدْنَآ أَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ، إِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾ (انبیاء:۱۱-۱۷)

ترجمہ: ہم نے کتنی ہی ظالم بستیوں کو ہلاک کر کے ان کے بعد (انہی کی جگہ) دوسری اقوام کو پیدا کیا ہے۔ سو جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کر لیا تو وہ وہاں سے فوراً بھاگنے لگے۔ بھاگو مت! اپنے سامان عیش اور اپنے گھروں کی جانب لوٹو تاکہ تم سے سوال کیا جائے۔ وہ کہنے لگے ہائے ہماری بدبختی بیشک ہم ظالم تھے۔ سو ان کی یہی چیخ وپکار جاری تھی کہ ہم نے انہیں جڑ سے اکھاڑ دیا اور وہ جل بجھ کر رہ گئے۔ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے ہم نے انہیں کھیل کود میں تھوڑی پیدا کیا ہے۔ اگر ہمیں کھیل کود ہی مقصود ہوتا تو ہم اسے اپنے ہی پاس انجام دے لیتے، اگر ہم کو کرنا ہی تھا۔

یہ تمام آیات بلکہ جیسا کہ اگلے صفحات سے ظاہر ہوگا سورۂ انبیاء کے ابتدائی دونوں رکوعات، جن سے زیر بحث آیات کا بھی تعلق ہے، معنوی اعتبار سے ایک دوسرے سے حد درجہ مربوط و منضبط ہیں، اور آسمانوں کی ساری ہی زمینوں میں جاری خلق و فنا کی داستان عبرت آموز اسلوب میں بیان کر رہی ہیں۔ چنانچہ لاتعداد بستیوں کو ہلاک کرنے کے بیان کے فوراً بعد باری تعالیٰ کا جوش بھرے اور ولولہ انگیز لہجے میں یہ اعلان کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے اسے لہو ولعب میں اور بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے اس حقیقت کی جانب صریح ترین اشارہ ہے کہ تخلیق و تخریب کا یہ بیان عالمی نہیں بلکہ کائناتی پیمانے پر اور ساری ہی زمینوں کے تناظر میں ہو رہا ہے۔ اس نقطۂ نظر کو جلا بخشنے والی ایک اور قوی دلیل ان بے شمار بستیوں کی بربادی کے لئے ایک ہی قسم کی ہلاکت یعنی ﴿جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَامِدِينَ﴾ (ہم نے انہیں جڑ سے اکھاڑ دیا اور وہ جل بجھ کر رہ گئے) کا بیان بھی ہے، کیوں کہ ہماری زمین کی موجودہ سلسلۂ انسانیت سے تعلق رکھنے والی ہر ہلاک شدہ قوم کو ایک علاحدہ قسم کے عذاب کے ذریعے ہی ہلاک کیا گیا تھا، مثلاً قوم نوحؑ کو طوفان کے ذریعے تو قوم عاد کو آندھی سے، قوم ثمود کو ایک گرجدار آواز اور زلزلے کے ذریعے تو قوم لوطؑ کو سنگ باری سے، اور آل فرعون کو دریا برد کر کے۔ چنانچہ کائناتی تناظر میں یہ ایک ہی قسم کا مخلوقات کو جلا کر راکھ کر دینے والا عذاب کیا ہوتا ہے اس پر تفصیلی کلام اگلے باب میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

ملحوظ رہے کہ ﴿قَرْيَةٌ﴾ کے معنے بستی کے ہوتے ہیں۔ جب یہ لفظ ہماری زمین کے سیاق میں استعمال کیا جائے تو اس سے اس کا کوئی بھی علاقہ مراد ہونا بالکل عیاں ہے، جیسے علاقہ قوم عاد، علاقہ قوم ثمود یا علاقہ قوم لوطؑ۔ مگر اب جب کہ آسمانوں میں بھی دیگر زمینوں کا وجود ثابت ہو چکا ہے تو ان سب زمینوں کے تناظر میں اس لفظ کے اطلاق سے ایک پوری زمین مراد ہونا ایک بدیہی حقیقت ہے، کیوں کہ ساتوں آسمان درکنار صرف ہماری ایک معمولی کہکشاں کی نسبت سے ہماری زمین کی حیثیت اتنی بھی نہیں ہے جتنی کہ خود اس کی نسبت سے اس کی کسی حقیر ترین بستی کی ہو سکتی ہے۔ موجودہ معلوماتی دور (information age) میں جو لوگ 'عالمی قریہ' (global village) کے مفہوم کو سمجھتے ہیں انہیں ہماری مراد سمجھنے میں کسی قسم کی دقت محسوس نہیں ہو سکے گی۔ جب ایک محدود علم کا حامل انسان اس حقیقت کا ادراک کر چکا ہے تو اس علیم و خبیر ذات اقدس کا کیا کہنا جو خالق کل ہے۔ لہٰذا یہ قرآنی تعبیر واقعتاً "القرآن ذو وجوہ" (قرآن متعدد چہروں والا ہے) کی ایک منہ بولتی تصویر ہے۔ پچھلے باب میں ہم نے قرآن مجید میں زمینوں اور ان کی کثرت کا اثبات متعدد مجازی الفاظ و تعبیرات کے ذریعے سے بھی کئے جانے کا جو ذکر کیا تھا یہ اسکی پہلی مثال ہے، جس کا استعمال یہاں بطور کنایہ کیا گیا ہے۔ اسی نوع سے تعلق رکھنے والی ایک اور مثال حسب ذیل ارشاد ربانی بھی ہے:

۶- ﴿وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَّعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا. فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا. أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ،

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا. رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ، وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا، قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا. اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ، يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ (طلاق:۸-۱۲)

ترجمہ: کتنی ہی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے احکام سے سرکشی کی، پس ہم نے ان کا شدید محاسبہ کیا اور انہیں (موجودہ نسل انسانی کے لئے) ایک اجنبی سزا دی۔ سوانہوں نے اپنے کئے کا بدلہ چکھا، اور ان کا انجام کار تو خسارا ہی تھا۔ اللہ نے ان کے لئے ایک شدید عذاب بھی تیار کر رکھا ہے، سوائے وہ اہل دانش جو ایمان لا چکے ہو اللہ سے ڈرو، بے شک اس نے تم پر ایک یاددہانی نازل کی ہے۔ (اور) ایک رسول (بھی بھیجا ہے) جو تمہیں اللہ کی واضح نشانیاں سنانے والا ہے، تاکہ وہ ایمان والوں اور صالح عمل کرنے والوں کو تاریکیوں سے روشنی کی جانب نکال لے آئے، اور جو اللہ پر ایمان لے آئے اور صالح عمل کرے تو اللہ اسے ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے ندیاں بہتی ہوں گی، اور وہ ان میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے، اور اللہ نے اسے بہترین رزق عطا کیا ہے۔ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے، اور انہیں کی طرح زمینیں بھی، ان میں حکم نازل ہوتا رہتا ہے، تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور یہ کہ اللہ ہر چیز کا علمی اعتبار سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اس وقت شمارہ ۷ کے تحت کی گئی ہماری بحث بھی پیش نظر رہے جو موجودہ شمارے کا ایک حصہ بھی ہے۔ پھر ملاحظہ ہو کہ موجودہ شمارہ اور پچھلے شمارے کے درمیان تعبیر کی کس قدر مماثلت و ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اگر وہاں ﴿وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً﴾ (ہم نے کتنی ہی ظالم بستیوں کو ہلاک کیا ہے) کہا گیا تھا تو یہاں بھی ٹھیک یہی سبق اور اسی قسم کی تعبیر ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا﴾ (کتنی ہی بستیاں اپنے رب اور اس کے رسولوں کے احکام سے سرکشی کیں، پس ہم نے ان کا شدید محاسبہ کیا اور انہیں ایک اجنبی سزا دی) کے ذریعے دیا جا رہا ہے۔ پھر اس تخریب و تعذیب کا بیان عالمی سطح کے بجائے کائناتی پیمانے پر ہونے پر دلیل اگر وہاں ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ﴾ (آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے ہم نے اسے کھیل کود میں تھوڑا پیدا کیا ہے) کے ذریعے قائم کی گئی تھی تو یہاں ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ (اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے، اور ان ہی کی طرح زمینیں بھی) کے ذریعے کی جا رہی ہے۔ چنانچہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آخر الذکر یہ دونوں فقرات باہم ایک دوسرے کی شرح و تفسیر کرنے والے ہیں۔ اسی لئے اس کے فوری بعد اس حقیقت کو مزید موکد کرتے ہوئے ان زمینوں میں بھی ہماری زمین

ہی کی طرح نازل ہونے والے احکام الٰہی کا سبق نہایت واضح الفاظ میں ﴿يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ﴾ (ان میں حکم نازل ہوتا رہتا ہے) کے ذریعے دیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں اس نقطۂ نظر کو مزید پروان چڑھاتے ہوئے سابقہ شمارے کے تحت بیان کردہ کائناتی سطح پر ایک ہی قسم کے انوکھے عذاب کی توضیح موجودہ شمارہ میں نہایت بلیغ الفاظ میں ﴿عَذَابًا نُّكْرًا﴾ (ایک اجنبی سزا) کے ذریعے کی جا رہی ہے کہ وہ سزا موجودہ نسل انسانی کے لئے بالکل اجنبی اور نامعلوم ہی ہے، اور یہ کہ اس طرح کے عذاب سے اس کا سابقہ اب تک کبھی نہیں پڑا ہے۔

نیز پچھلے باب میں ہم نے ﴿وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ سے کائنات میں لاتعداد زمینوں کے وجود پر جو استدلال کیا تھا یہاں اس پر خود اس کا سیاق ﴿وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ﴾ (کتنی ہی بستیاں) ایک مضبوط دلیل فراہم کرنے والا ہے، جس سے وہاں مراد لیا گیا ہمارا مفہوم اور زیادہ مستحکم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر یہ آخر الذکر فقرہ اول الذکر فقرے میں پوشیدہ بے انتہا کثرت کو ظاہر کرنے والا ہے تو خود اول الذکر فقرہ بھی آخر الذکر فقرے کے حقیقی مدلول کی توضیح کرنے والا ہے۔

اس وقت یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ اس شمارے میں زمینوں پر دلالت کرنے کے لئے قرآن مجید بیک وقت دو الفاظ ﴿الْأَرْضُ﴾ اور ﴿قَرْيَةٌ﴾ لے آتا ہے، پہلا حقیقتاً تو دوسرا مجازاً۔ چنانچہ صحیفہء الٰہی کا یہ انوکھا اسلوب اس کے جدید علمی اعجاز سے نہایت گہرا ربط و تعلق رکھنے والا ہے، جس کی مختلف النوع مزید مثالیں اگلے صفحات میں بھی پیش کی جائیں گی۔ اب اگلا شمارہ اس مفہوم کو اور زیادہ واضح اور موکد کرنے والا ہے:

۷- ﴿إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا. لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا. وَكُلُّهُمْ اٰتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا. إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا. فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا. وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ، هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴾ (مریم:۹۳-۹۸)

ترجمہ: سارے آسمانوں اور زمینوں میں ایسا کوئی بھی نہیں ہے جو رحمٰن کے پاس بطور غلام نہ آئے۔ یقیناً یہ ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور انہیں خوب شمار بھی کر رکھا ہے۔ قیامت کے دن ہر ایک اس کے پاس اکیلا ہی آئے گا۔ بے شک ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں کے لئے رحمٰن محبت پیدا کرے گا۔ یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو تمہاری زبان میں آسان بنایا ہے تاکہ تم متقیوں کو خوش خبری سنا سکو اور جھگڑالو لوگوں کو ڈرا سکو۔ ہم نے ان سے قبل کتنی ہی نسلوں کو ہلاک کر دیا ہے، کیا تم ان میں سے کسی کو محسوس بھی کرتے ہو یا ان کی کوئی خفیف سی آواز ہی سہی سن سکتے ہو؟

شمارہ ۵ میں کائنات کی مختلف زمینوں میں مکلف مخلوقات کی تخلیق اور خود انہیں کے گناہوں کی پاداش میں ان کی مستقل ہلاکت و بربادی کی جانب ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ﴾ (آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے ہم نے اسے کھیل کود میں تھوڑا پیدا کیا ہے) کے ذریعے جو بلیغ اشارہ کیا گیا تھا موجودہ

شمارے میں ٹھیک اسی حقیقت کی تصویر کشی نہایت واضح الفاظ میں اور ایک دیگر تعبیر کے ذریعے کی جارہی ہے۔ چنانچہ اس شمارے کی ساری ہی آیات میں حد درجے کا ربط و انضباط پایا جاتا ہے۔ پہلی ہی آیت میں ﴿إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ (سارے آسمانوں اور زمینوں میں ایسا کوئی بھی نہیں ہے جو رحمٰن کے پاس بطور غلام نہ آئے) کے ذریعے ساری آسمانی زمینوں میں عقل مند مخلوقات کے وجود کی خبر صراحت کے ساتھ دیتے ہوئے بتایا جارہا ہے کہ ان سب کو قیامت کے دن اکٹھا کیا جائے گا۔ پھر ﴿لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا﴾ کے ذریعے سبق دیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا احاطہ کرتے ہوئے انہیں خوب شمار بھی کر رکھا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کی جانب سے ان آسمانی مخلوقات کو خوب شمار کئے جانے کی اس تعبیر ﴿عَدَّهُمْ عَدًّا﴾ سے، جہاں تاکید و مبالغے کی غرض سے فعل کے بعد اس کا مصدر بھی دہرایا گیا ہے، بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ زمینوں اور ان میں بسی مخلوقات کی اصل تعداد کس قدر ہوگی۔ اسی طرح ﴿أَحْصَاهُمْ﴾ (اللہ ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے) ان تہذیبوں کے اس محیر العقول وسیع وعریض کائنات کے اطراف واکناف میں بسے رہنے کی جانب اشارہ کررہا ہے۔ چنانچہ یہاں اگر اول الذکر فقرہ ان خارجی تہذیبوں کی عددی کثرتوں کا اظہار کرنے والا ہے تو آخر الذکر ان کی مکانی وسعتوں کا۔ پھر آگے دو آیات میں ان آسمانی مخلوقات کی کچھ اور خصوصیات بیان کرنے کے بعد آیت ﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا﴾ خارجی زندگی کے اس مربوط بیان کے بیچوں بیچ قصداً بطور جملہ معترضہ لائی گئی ہے، تاکہ اس ظاہری فصل کے ذریعے کلام میں کسی قدر ابہام پیدا کرکے قبل از وقت حقائق ومعانی کے ظہور پر وقتی روک لگائی جاسکے۔

پچھلے باب کے مباحث کے مطابق جب صرف زمینوں کی کثرت کے واضح بیان میں نہایت درجے کی احتیاط و دور اندیشی کا مظاہرہ کیا گیا تھا تو اب یہ بات عین فطری اور مطابق عقل و منطق ہوگی کہ ان میں بسی مخلوقات کے بیان میں بھی اسی حکمت عملی کا التزام کیا جائے۔ پھر آخری آیت میں ﴿كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ کے ذریعے ہمیں یہ باور کرایا جارہا ہے کہ آسمانوں میں بسی موجودہ مخلوقات سے قبل وہاں کی لاتعداد نسلوں کو ہلاک و برباد بھی کیا جاچکا ہے۔ چونکہ ان ساری آیات میں کلام مربوط طور پر کل آسمانی مخلوقات پر ہورہا ہے لہٰذا ﴿قَبْلَهُمْ﴾ میں موجود ضمیر جمع مذکر غائب پہلی آیت میں ﴿مَنْ﴾ کی جانب ہی لوٹ رہی ہے۔ ضمیر کے اس مرجع بعید کی جانب لوٹائے جانے کی ایک دوسری دلیل اس سے متصل بعد والا فقرہ ﴿هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴾ (کیا تم ان میں سے کسی کو محسوس بھی کرتے ہو یا ان کی کوئی خفیف سی آواز ہی سہی سن سکتے ہو؟) بھی ہے، کیوں کہ محسوس تو صرف انہیں مخلوقات کو کیا جاسکتا ہے یا خفیف سی آواز صرف انہیں کی سنی جاسکتی ہے جو زندہ ہوں، نہ کہ وہ جو عرصۂ دراز قبل ہی نیست ونابود کردئے گئے ہوں۔ ___ یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ ﴿قَرْنٌ﴾ کے لفظی معنے ''ایک زمانے کے لوگ'' ہوتے ہیں۔ پچھلے مسلسل دو شمارات کے مطابق جس طرح ﴿قَرْيَةٌ﴾ کا پس منظر عالمی سے کائناتی میں تبدیل ہوجانے کی

صورت میں اس کے معنے میں وسعت پیدا ہو کر ایک پوری زمین مراد ہو جاتی ہے ٹھیک اسی طرح یہاں ﴿قَرْنٌ﴾ کی اس تعریف کا اطلاق اگر ہماری اس زمین کے موجودہ سلسلۂ انسانیت کے تناظر میں کیا جائے تو اس سے اس سلسلے کی کوئی بھی قوم مراد ہو سکتی ہے، جیسے قوم نوحؑ، قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ۔ اور اگر اس کا اطلاق عمومی طور پر ساری کائنات کی زمینوں میں بسی مخلوقات کے سیاق میں کیا جائے تو اس کا دائرہ وسیع ہو کر ایک زمین کی پوری مخلوق پر محیط ہو جاتا ہے، کیوں کہ اربوں سالہ قدیم کائنات کے پس منظر میں کسی زمین کی صرف چند ہزار سال تک جاری رہنے والی ساری سلسلہ مخلوق ''ایک زمانے کے لوگ'' کی ایک حقیر ترین مثال ہی ہوگی۔ ملحوظ رہے کہ ہماری موجودہ سلسلۂ انسانیت کوئی چھ ہزار سال ہی قدیم ہے، جب کہ ہماری زمین کی عمر کم از کم ساڑھے چار ارب سال، اور اس کائنات کی عمر دس تا بیس ارب سال ہے۔ لہٰذا قرآن مجید میں ان دونوں استعمالات کی بہتات ہے۔ اگلے صفحات میں موضوعات کی مناسبت سے ان میں سے چند کو پیش کیا جائے گا۔ چنانچہ ہم نے ﴿قَرْنٌ﴾ کے اس آخری معنے میں استعمال کا ترجمہ ہر جگہ ''نسل'' ہی سے کیا ہے۔

اس آخری آیت کریمہ میں آسمانی مخلوقات کے تعلق سے ﴿هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴾ (کیا تم ان میں سے کسی کو محسوس بھی کرتے ہو یا ان کی کوئی خفیف سی آواز ہی سہی سن سکتے ہو؟) کہہ کر دنیائے سائنس کی ایک اور مہتم بالشان حقیقت کو نہایت ہی اعجازی انداز میں بے نقاب کیا جا رہا ہے، اور اشارے ہی اشارے میں خارج از زمین عقل مند زندگی کی تلاش کی سمت جدید فلکیات کی ساری تگ و تاز کو اس چھوٹے سے فقرے میں سمیٹا جا رہا ہے۔ جیسا کہ پچھلے باب میں عرض کیا جا چکا خارجی زندگی کی تلاش میں جدید فلکیاتی سائنس بنیادی طور پر یہی دو قسم کے اقدامات کر رہی ہے۔ ایک تو یہ کہ اپنے خلائی شٹل بیرون زمین بھیج کر خارجی زندگی کا پتہ از خود لگانے اور اسے جسمانی طور پر محسوس کرنے اور کھوج نکالنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ مصنوعی ریڈیائی لہروں (artificial radio waves) کے ذریعے خارجی زمینوں اور ان میں بسی مخلوقات سے رابطہ پیدا کرنے کی سخت جدوجہد بھی کر رہی ہے۔ اور یہ ریڈیائی لہریں حقیقتاً ہلکی اور خفیف سی آواز ہی ہوتے ہیں، جنہیں ریڈیائی آلات کے ذریعے فضائی لہروں سے اخذ کر کے سنا جاتا ہے۔ آج ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون وغیرہ آلات انہیں اصول کو بروئے کار لا کر مواصلاتی میدان میں حیرت انگیز کارنامے انجام دے رہی ہیں۔ خارجی مخلوقات سے رابطے کی خاطر جس طرح ہم ان ریڈیائی لہروں کو ان کی جانب فضائے آسمانی میں بھیج سکتے ہیں ٹھیک اسی طرح ہم ان خارجی مخلوقات کی بھیجی ہوئی لہروں کو فضا ہی سے حاصل کر کے سن بھی سکتے ہیں۔ بلکہ آج جدید سائنس خارجی زندگی کی تلاش میں اپنی تمام تر کوشش ان خارجی مخلوقات کی ممکنہ طور پر بھیجی ہوئی ریڈیائی لہروں کو کھوجنے اور انہیں سننے ہی میں صرف کر رہی ہے، کیوں کہ یہ کام نسبتاً آسان اور کم وقت کا طلب گار ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ میں انسان کی ٹھیک اسی جدوجہد کی جانب یہ بلیغ اشارہ کیا جا رہا ہے کہ تم نے خارجی زمینوں اور ان میں عقل مند زندگی کے امکان پر اس قدر ٹھوس علمی و عقلی دلائل و براہین قائم

کرتو لئے ہیں، مگر عملی طور پر اتنی تلاش وجستجو کے باوجود کیا کسی مخلوق کو محسوس بھی کر سکے ہو، یا کم از کم خود ان کا بھیجا ہوا کوئی ریڈیائی سگنل ہی سہی پانے میں کامیاب ہو سکے ہو! لہذا غور کیا جا سکتا ہے کہ دریا بکوزہ کے مصداق باری تعالیٰ نے جدید فلکیاتی سائنس کی ساری جدوجہد کو اس نہایت مختصر اور بلیغ ترین فقرے میں کس قدر اعجازی انداز میں بند کر دیا ہے۔

اس سلسلے میں یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ جدید علمی وتکوینی حقائق کے اظہار میں قرآن مجید اکثر وبیشتر اشارات وکنایات ہی سے کام لیتا ہے، اور تفصیلی کلام سے قطعاً احتراز کرتے ہوئے کسی بھی مظہر طبیعی کی کسی مرکزی صفت کو ایسے بلیغ الفاظ اور جامع تعبیرات کے ذریعے بیان کر دیتا ہے، جو اُس حقیقت کے سائنسی سطح پر ظہور کے نتیجے میں براہ راست اور بغیر کسی تاویل کے ہر عام وخاص کی سمجھ میں آجاتے ہوں۔ بطور مثال ان ریڈیائی لہروں ہی کے لئے باری تعالیٰ اگر اپنی جانب سے کوئی اصطلاح وضع کرتا تو وہ یقیناً ان مظاہر کائنات کے خالق اور ان کے سربستہ رازوں کے واقف کار کی جانب سے ہونے کی وجہ سے اس قدر جامع ومانع ہوتی کہ انسان کی سمجھ سے بالکل بالاتر ہی ہوتی، کیونکہ وہ اپنے حواس اور سائنسی تحقیقات کے ذریعے اشیائے کائنات کے صرف ظواہر (phenomena) کا علم حاصل کر سکتا ہے، برخلاف ان کے بواطن (noumena) کے۔ لہذا اس نے ان کی تصویر کشی ان کی اسی مرکزی اور عام فہم صفت ﴿رِكْزًا﴾ یعنی ''خفیف سی آواز'' سے کردی۔

مزید برآں، ہمیں ان خارجی مخلوقات کے بھیجے گئے ریڈیائی سگنل سن سکنے کی بات کہہ کر قرآن مجید سابقہ آیات کے ذریعے ان مخلوقات کے ثابت شدہ اوصاف پر ایک اور وصف کی زیادتی کر رہا ہے کہ وہ تہذیبی وتمدنی اور علمی وثقافتی اعتبار سے ہم جیسے یا ہم سے بھی زیادہ ترقی یافتہ اور فائق ہو سکتے ہیں، کیوں کہ محض ایک مخلوق کی کسی دوسری خارجی مخلوق کو ان ریڈیائی لہروں کے ذریعے اپنے وجود کی خبر دینے کی کوشش ہی بے پناہ سائنسی اور فلکیاتی ترقی کی متقاضی ہوتی ہے، جیسا کہ اس وقت خود ہمارا اپنا حال ہے۔ ملحوظ رہے کہ ہم صدیوں کی علمی وفنی ترقی کے بعد ہی اور گزشتہ تقریباً پانچ دہائیوں ہی سے اس ٹکنالوجی کے استعمال پر پوری طرح سے قادر ہو سکے ہیں۔ لہذا اس وقت دوبارہ غور کیا جا سکتا ہے کہ جدید فلکیات اب تک راست طور پر خارج از زمین ایک زندہ یا مردہ جرثومہ (microbe) تک دریافت نہ کر سکنے کے باوجود مختلف بالواسطہ دلائل وشواہد کی بنیاد پر خارجی تہذیبوں سے رابطہ پیدا کرنے کی سعی دہائیوں سے جس عزیمت واستقامت کے ساتھ کر رہی ہے وہ کس قدر حقیقت پسندانہ اور قرآن مجید کے جدید علمی اعجاز کے اظہار کے لئے کس قدر مطلوب ومستحسن ہے، اور یہ کہ خود وہ سائنسی دلائل وبراہین کس قدر مضبوط ومستحکم بنیادوں پر قائم ہیں۔ اب موجودہ شمارے کی مزید تائید وتقویت کے لئے درج ذیل آیات بھی ملاحظہ ہوں:

۸- ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ، وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ. بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ، بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا، بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ﴾ (نمل:۶۵-۶۶)

ترجمہ: کہہ دو کہ سوائے اللہ کے آسمانوں اور زمینوں میں جو کوئی ہے غیب کی خبر نہیں رکھتا ہے، اور انہیں اس کی بھی خبر نہیں ہے کہ ان کی بعثت کب ہوگی۔ بلکہ ان کا علم آخرت (کے ثبوت) کو پا چکا ہے، بلکہ وہ اس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں، بلکہ وہ اس کی طرف اندھے بنے ہوئے ہیں۔

یہاں ﴿مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (آسمانوں اور زمینوں میں جو کوئی ہے) کی تعبیر سے پتہ چل رہا ہے کہ یہ قرآنی بیان بھی ساری ہی آسمانی زمینوں اور ان میں بسی مخلوقات کے پس منظر میں ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس کے ذریعے نہایت واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ ان مخلوقات کو اس کی بالکل بھی خبر نہیں ہے کہ ان کی بعثت کب ہونے والی ہے۔ نیز ان مخلوقات کا ایک اور وصف یہ بھی بیان کیا جا رہا ہے کہ ان میں سے بہت ساری ایسی بھی ہیں جو اگرچہ وقت بعثت کی خبر نہ رکھتی ہوں مگر وہ اس قدر متمدن اور علمی اعتبار سے اتنی ترقی یافتہ ہیں کہ انہوں نے اپنے علوم وفنون کی بدولت وقوع قیامت اور آخرت کی سچائی کو پالیا ہے! مگر وہ اس کے باوجود اس سے شک میں پڑے ہوئے ہیں یا اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں، جیسا کہ اس وقت خود ہماری زمین والوں کا حال ہے۔ اس طرح یہ آیات سابقہ شمارے کے تحت ثابت شدہ دیگر آسمانی مخلوقات کی علمی وسائنسی ترقی کو مزید موکد کرنے والی ہیں۔

آسمانی مخلوقات کے یہ اور اب تک ثابت شدہ سارے ہی اوصاف وہی ہیں جو خود ہم انسانوں کے بھی ہیں۔ ان تمام حقائق کے پیش نظر کیا یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ساری مخلوقات بھی انسانی ہی ہیں؟ اور کیا وہ ائمہ مفسرین جنہوں نے شمارہ ۱۲ کے تحت ﴿دَآبَّةٍ﴾ میں انسان کو بھی بنفس نفیس شامل مانا تھا وہ اُسی وقت اس عظیم الشان حقیقت کی کنہ تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے؟ چنانچہ اس سوال کے کافی وشافی جواب کے لئے اگلا شمارہ ملاحظہ ہو، جو اس ضمن میں قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے:

۹- ﴿یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، كُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَاْنٍ. فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ. سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ. فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ. یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا، لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ. فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ. یُرْسَلُ عَلَیْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ، وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ. فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ. فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ...﴾ (رحمٰن:۲۹-۳۷) ترجمہ: آسمانوں اور زمینوں میں جو کوئی ہے اسی سے مانگتا ہے، وہ ہر دن کسی کام میں ہوتا ہے۔ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اے جن وانس عنقریب ہم تمہارے لئے فارغ ہو جائیں گے۔ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اے گروہ جن وانس اگر تم میں طاقت ہو کہ آسمانوں اور زمینوں کے حدود سے باہر نکل جاؤ تو نکل کر دیکھو، (مگر یاد رکھو) تم ایک بڑی قوت کے بغیر نکل نہیں سکتے ہو۔ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (لہذا جب تم نکلنے کی کوشش کرو گے تو) تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا،

پھر تم بچ نہ سکو گے۔ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ پھر جب آسمان پھٹ جائیں گے۔

یہاں ﴿السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ کا استعمال مکرر طور پر دو مرتبہ کیا گیا ہے، جس سے اس حقیقت میں مزید تاکید پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ گفتگو بھی ساری آسمانی زمینوں کے پس منظر ہی میں ہو رہی ہے۔ آخری آیت میں ﴿فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ﴾ (پھر جب آسمان پھٹ جائے گا) خبر دے رہا ہے کہ سابقہ ساری آیات دنیوی امور ہی سے متعلق ہیں، کیوں کہ الفاظ قرآنی سے پوری طرح عیاں ہے کہ قیامت کے بیان کی ابتدا ہی یہاں سے ہو رہی ہے۔ چنانچہ یہاں کلام کی شروعات ﴿یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کے ذریعے کرتے ہوئے یہ خبر دی جا رہی ہے کہ ساری آسمانی زمینوں میں جو کوئی بھی ہے وہ حق تعالیٰ ہی سے مانگنے والا ہے۔ یہ مانگنے والے حقیقتاً کون ہیں بظاہر یہ آیت اس سے سکوت اختیار کئے ہوئے نظر آ رہی ہے۔ مگر اگلی ہی آیت میں اسلوب کلام کو اعجازی طور پر صیغہء غائب سے صیغہء مخاطب میں تبدیل کرتے ہوئے براہ راست انسان اور جنات کو مخاطب کر کے ﴿سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ﴾ (اے جن و انس عنقریب ہم تمہارے لئے فارغ ہو جائیں گے) کہا جا رہا ہے، جس سے یہ لطیف اشارہ نکلتا ہے کہ وہ مانگنے والے یہی ہیں۔ پھر ملاحظہ ہو کہ کتاب الٰہی یہاں صرف اس احتمال کے ذکر ہی پر اکتفا کرنا کافی نہیں سمجھتی ہے، بلکہ متصل اگلی ہی آیت میں ﴿السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ کی ترکیب ایک اور مرتبہ دہرا کر صاف سیدھے اور منصوص طور پر ﴿یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا﴾ کے ذریعے انہیں ان ساری زمینوں کے بھی حدود سے باہر نکل جانے کی دعوت پیش کر دیتی ہے۔ اب سوچا جا سکتا ہے کہ اگر ان دونوں کا وجود ان ساری زمینوں میں بھی نہ ہوتا تو انہیں ان سے باہر نکلنے کی دعوت ہی کیوں دی جاتی؟ کیا اس قسم کے کسی مہمل و بے معنی بیان کی توقع خالق ارض وسما جیسی ذات اقدس سے کسی بھی قیمت پر کی جا سکتی ہے؟ اس وقت یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ ہم پچھلے باب میں زمینوں کے تعدد کے بیان میں بھی ٹھیک اسی اخفا اور اعجازی اظہار کا مشاہدہ بار ہا کر چکے ہیں، جس سے موجودہ ارشاد باری کے فہم و ادراک میں بھی کافی سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔

مگر متقدم مفسرین کے ایک طبقے نے اپنے ادوار میں دیگر زمینوں اور ان میں مکلف مخلوقات کے وجود اور ان کے احوال و کوائف پوری طرح مجہول ہونے کی بنا پر آخر الذکر آیت کو مجرد طور پر اور پورے نہایت مربوط سیاق و سباق سے بالکل منقطع کر کے دیکھا تو ان کے نزدیک جن و انس سے اس خدائی خطاب کو اخروی نوعیت کا قرار دینے کے علاوہ کوئی اور متبادل مفہوم مشکل ہی تھا۔ مزید برآں اس تاویل میں بھی ان کے پیش نظر صرف ہماری موجودہ ایک ہی زمین تھی۔ البتہ ان کی یہ تاویل اُس وقت بھی کسی بھی طرح صحیح نہیں ہو سکتی تھی، کیوں کہ اسی آیت کا آخری فقرہ ﴿لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ﴾ (تم ایک بڑی قوت کے بغیر نکل نہیں سکتے ہو) بھی اس امکان کو واضح طور پر تسلیم کر رہا ہے کہ یہ دونوں اجناس ایک زبردست قوت کے بل بوتے آسمانوں اور زمینوں کے حدود کو عبور بھی کر سکتی ہیں، جب کہ آخر

میں یہ امر محال ہوگا۔ اسی طرح اگر اس خطاب کی نوعیت اخروی ہوتی تو اس صورت میں جن وانس کو دعوت میدان حشر کے حدود وقیود ہی سے فرار اختیار کرنے کی دی جاتی، نہ کہ دیگر ساری زمینوں کے حدود کو پھلانگنے کی۔ مزید برآں یہ دعوت فرار مخصوص طور پر جن وانس کے طبقۂ منکرین ومکذبین ہی کو دی جاتی، نہ کہ اس خطاب کے عموم میں اہل جنت مومنین کو بھی شامل کرلیا جاتا۔ جب کہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ جدید انسان دیوہیکل اور نہایت طاقتور راکٹوں -- جو ﴿سُلْطٰنٌ﴾ (ایک بڑی قوت) کی منہ بولتی تصویر ہیں -- کی مدد سے کئی مرتبہ ہماری زمین کے حدود سے بالکل باہر ہوآیا ہے، اور آئے دن اس کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلسل اس خدائی اعلان پر مہر تصدیق ثبت کرتا بھی جارہا ہے۔ نیز خود اکثر متقدم ائمۂ مفسرین کے نزدیک بھی یہ احتمال ضرور موجود ہے کہ یہ خطاب دنیوی نوعیت کا بھی ہوسکتا ہے۔ ان میں امام طبریؒ، امام رازیؒ، قاضی بیضاویؒ، امام بغویؒ، قرطبیؒ، علامہ آلوسیؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ بالخصوص امام رازیؒ عبارت کے عموم کا لحاظ کرتے ہوئے اسی امکان کو اولی وافضل قرار دیتے ہیں۔ حقیقتاً یہ اور اس کے بعد والی دونوں آیات شریفہ مل کر موجودہ خلائی دور سے گہرا تعلق رکھنے والی اور ایک بہت ہی اہم فلکیاتی مظہر سے نہایت اعجازی انداز میں پردہ اٹھانے والی ہیں، جس پر مفصل کلام اگلے باب میں کیا جائے گا۔

یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ موجودہ شمارے کے ذریعے مقصود حقیقتاً ساری زمینوں کے طبقات جن وانس سے خطاب نہیں بلکہ اس سے صرف ان کے ہر جگہ اثر ونفوذ کی خبر ہمیں اعجازی طور پر دینا ہے۔ لہذا اس بحث سے مدلل اور منصوص طور پر ثابت ہوتا ہے کہ پچھلے مسلسل آٹھ شمارات کے ذریعے ساری آسمانی زمینوں میں ثابت شدہ ہو بہو انسانی اوصاف سے متصف مکلف مخلوقات خود انسانوں ہی کی ہیں، اور یہ کہ ہر جگہ ان کا ساتھ جنات سے بھی ہوتا ہے۔

اب ممتاز مفسر قرآن اور نامور صحابی رسولؐ حضرت ابن عباسؓ کی وہ حیرت انگیز روایات ملاحظہ ہوں جو ہمارے اخذ کردہ مفہوم کی حد درجہ تائید وحمایت کرنے والی ہیں، اور جنہیں امام طبریؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی اپنی تفاسیر میں سورۂ طلاق:۱۲ کے ضمن میں نقل فرمایا ہے: "فی کل أرض مثل إبراهيم ونحو ما على الأرض من الخلق." ترجمہ: ہر زمین میں ابراہیمؑ جیسا اور اس زمین جیسی مخلوقات موجود ہیں۔

"سبع أرضين فی كل أرض نبی كنبيكم وآدم كآدم ونوح كنوح وإبراهيم كإبراهيم وعيسى كعيسى." ترجمہ: سات زمینوں میں سے ہر زمین میں تمہارے نبیؐ کے مانند ایک نبی ہے، اور آدمؑ کی طرح آدم، نوحؑ کی طرح نوح، ابراہیمؑ کی طرح ابراہیم اور عیسیٰ کی طرح عیسیٰ بھی۔

ان دونوں روایات کے ہر لفظ سے عیاں ہے کہ ساری ہی زمینوں میں ہم جیسی مخلوق آباد ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ روایات اب تک ان دونوں ابواب میں منتشر طور پر ثابت شدہ بہت سارے قرآنی حقائق کی تلخیص کرنے والی ہیں۔ اس سے یہ حقیقت بھی بخوبی ثابت ہورہی ہے کہ یہ ہماری کوئی نئی اور انوکھی تحقیق نہیں ہے، جس سے متقدمین

بالکلیہ غیر مانوس رہے ہوں۔ بلکہ حضرت ابن عباسؓ نے اس کلیے کا ادراک شروع دور ہی میں کرلیا تھا، جس کے لوازمات اور دیگر تفصیلات سے ہم آج خود قرآن مجید ہی کی روشنی میں مطلع ہو رہے ہیں۔ یہاں یہ حقیقت بھی ملحوظ خاطر رہے کہ انہیں ائمۂ تفسیر نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں آپؓ کی ایک اور روایت کا بھی ذکر فرمایا ہے، جس سے ان مرویات کی وہبی والہامی نوعیت بھی پوری طرح آشکارا ہو جاتی ہے:

"لو حدثتکم بتفسیرها لکفرتم، و کفرکم تکذیبکم بها." ترجمہ: اگر میں تمہیں اس آیت کی تفسیر بیان کردوں تو تم کفر کر بیٹھو گے، اور تمہارا یہ کفر اس آیت ہی کو جھٹلا دینا ہوگا۔

اس سے ظاہر ہے کہ کائناتی مخلوق کے تعلق سے حضرت ابن عباسؓ کچھ مزید معلومات بھی رکھتے تھے، مگر انہوں نے بعض خدشات اور رائج الوقت علمی سطح کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے اس ضمن میں کسی مزید تفصیل کے بیان کرنے سے قطعاً احتراز فرمایا۔ چنانچہ سوچا جاسکتا ہے کہ عوام پر ان علمی حقائق کے اظہار کے لئے آپؓ کا ساتویں صدی عیسوی جیسا زمانہ کس طرح موزوں ومناسب ہوسکتا تھا جب کہ موجودہ اکیسویں صدی جیسے نہایت ترقی یافتہ علمی دور میں بھی خود سائنسی برادری ہی اس تعلق سے بڑے تذبذب کا شکار ہے، اور اس ضمن میں کوئی بات قطعی وحتمی طور پر کہہ نہیں پا رہی ہے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ ساتویں صدی عیسوی کے عوام تو عوام خود طبقۂ محدثین ومحققین نے بھی ان روایات کو شک وتردد ہی کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ان سے قابل قدر اعتنا نہیں کیا ہے۔ کچھ نے ان روایات کی باعتبار سند نقد وجرح کی تو کچھ نے اس ضمن میں خاموشی اختیار کرنے ہی کو بہتر جانا، کیوں کہ اس وقت ان حقائق کو تسلیم کر لئے جانے کے نتیجے میں امنڈ پڑنے والے فکری ونظریاتی افتراق وانتشار کا تدارک تقریباً ناممکن ہو جاتا۔ مگر چونکہ یہ روایات عصر حاضر میں درایتی اعتبار سے اس قدر ارشادات ربانی کی شرح وتفسیر کرنے والی ہیں کہ ان کا موہوم سقم از خود رفع ہو جاتا ہے۔ نیز اگرچہ حضرت ابن عباسؓ نے یہاں مثلیت میں آسمانوں کے سات عدد پر قیاس کرتے ہوئے زمینیں بھی اسی قدر مراد لی ہیں، مگر جیسا کہ پچھلے باب میں خود قرآن مجید ہی کی متعدد نصوص سے قطعیت کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے ساتوں آسمانوں میں لاتعداد زمینیں موجود ہیں۔ چنانچہ زمینیں اور ان میں بسی انسانی تہذیبیں کس قدر ہوں گی اس کا کسی قدر تخمینہ حسب ذیل آیت پاک سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

۱۰- ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ...﴾ (شوریٰ:۵) ترجمہ: قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر (کے بوجھ کی وجہ) سے پھٹ پڑیں اس حال میں کہ فرشتے اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہوئے زمینوں میں رہنے والوں کیلئے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں۔

یہ ارشاد باری ساتوں آسمانوں اور ان میں موجود ساری ہی زمینوں کے سیاق میں ہو رہا ہے، جس کی دلیل یہاں ﴿السَّمٰوٰتُ﴾ کے پس منظر میں ﴿الْأَرْضُ﴾ کا استعمال ہے۔ اور جیسا کہ شمارات ۷-۸ کے تحت عرض کیا جا چکا

اکیلا ﴿السَّمٰوٰتُ﴾ ہی اپنے وسیع تر مفہوم کے تحت ساری ہی زمینوں پر بھی محیط ہوتا ہے۔ چنانچہ ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ﴾ سے یہ معنی خیز اشارہ نکلتا ہے کہ وہ بوجھ جس کی وجہ سے آسمان اپنے اوپر سے پھٹنے کے قریب ہیں وہ انہیں زمینوں اور ان میں بسے انسانی تمدنوں کا ہے۔ اسی لئے یہاں اصولی اعتبار سے "مِنْ تَحْتِهِنَّ" (اپنے نیچے سے) کے بجائے قصداً اور خلاف قاعدہ ﴿مِنْ فَوْقِهِنَّ﴾ (اپنے اوپر کے بوجھ کی وجہ سے) کی ترکیب اختیار کی گئی ہے، کیوں کہ منطقی لحاظ سے آسمان اگر پھٹیں تو وہ اپنے اوپر سے نہیں بلکہ اپنے نیچے ہی سے پھٹتے ہیں۔ پھر ملاحظہ ہو کہ ٹھیک سابقہ شمارے ہی کی متابعت میں قرآن مجید یہاں ایک اور مرتبہ صرف اشارے ہی پر اکتفا نہیں کرتا ہے، بلکہ اس کے متصل بعد راست طور پر ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ (فرشتے اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہوئے زمینوں میں رہنے والوں کے لئے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں) کے ذریعے ان زمینوں اور ان میں بسی تہذیبوں کو نہایت اعجازی طور پر ظاہر کر رہا ہے، جس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سارا بیان آسمانی زمینوں اور ان میں آباد انسانی مخلوقات ہی کے ضمن میں ہو رہا ہے۔

متقدمین کے نزدیک چونکہ خارجی مخلوقات ثابت نہیں تھیں اس لئے انہوں نے اس سے ملائکہ کا بوجھ مراد لیا تھا۔ اس وقت یہ حقیقت بھی مدنظر رہے کہ ابتدائے باب میں شمارہ ۲ کے تحت ﴿دَآبَّةٍ﴾ کے ذریعے ساری کائنات میں ثابت ہونے والی انسانی مخلوقات کا تعلق بھی اسی سورۂ شوریٰ کے وسط سے ہے، جس کی ابتدا سے موجودہ شمارے کا بھی تعلق ہے، جس سے موجودہ شمارے کے حقیقی منشا و مراد پر بھی خاطر خواہ مزید روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ آسمانوں کے اپنے اوپر کے بوجھ کی وجہ سے پھٹ پڑنے کے قریب ہو جانے کی موجودہ تصریح اور پچھلے باب میں زمینوں کی بے انتہا کثرت کے مختلف النوع بیانات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خارجی زمینوں اور ان میں بسے انسانی تمدنوں کی تعداد کس قدر کثیر اور ناقابل تصور ہوگی۔

الغرض اب تک پیش کردہ آیات کے ملاحظے سے نہایت مدلل اور ناقابل تردید طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ ساتوں آسمانوں میں لاتعداد زمینیں ہیں، جو سب کی سب جن وانس کی ابتلا و آزمائش ہی کی خاطر پیدا کی گئی ہیں، ہر جگہ خلق و فنا کا سلسلہ مستقل طور پر جاری و ساری بھی ہے۔ پرانی نسلیں اپنے گناہوں و کرتوتوں کی پاداش میں فنا و معدوم ہو رہی ہیں اور مسلسل ان کی جگہ نئی نسلیں وجود میں آ رہی ہیں۔ اگلے باب میں ہم کائناتی سطح پر تخلیق و تخریب کے اس خیرہ کن اور عبرت آموز قرآنی فلسفے کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے ساری ہی زمینوں کی ایک نہایت مہیب اور خوفناک طبعی حقیقت کو منکشف کرنے کی سعی کریں گے، جس سے اب تک ان دونوں ابواب کے تحت پیش کردہ ہمارے سارے مباحث اور مختلف ارشادات قرآنی سے مراد لئے گئے ہمارے مفاہیم قوی سے قوی تر ہوتے چلے جائیں گے۔